خواجگانِ نقشبندیہ کی تعلیمات پر لاجواب اسباق،

رسائلِ نقشبندیہ

قدسیہ : حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی قدس سرہٗ
انسیہ : حضرت مولینا محمد یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ
رسالہ عزیزاں خواجہ علی عزیزاں رامیتینی رحمۃ اللہ علیہ
انفاسِ نفیسہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صحبتِ باولیائے نقشبند

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے

رسالہ قدسیہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کی تالیف لطیف ہے۔ اس رسالہ میں مؤلف علامہ نے اپنے پیر و مرشد شہنشاہ نقشبند حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر اقوال اور آپ کی مجالس میں سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات کی تشریحات کو بڑے اختصار سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ یہ رسالہ اپنے موضوع اور مطالب کی جامعیت کی بنا پر اکابر نقشبند کے لیے مشعل راہ بنا رہا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ کو بیحد پسند کیا اور اس سے استفادہ کیا۔ پھر اسے راہنمائے سلوک و طریقت قرار دیا۔ اپنے مکتوبات گرامی میں رسالہ قدسیہ کی عبارتوں کو جا بجا نقل کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے علاوہ سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر اور طریقہ مجددیہ کے ممتاز اولیا نے خصوصیت سے اس جامع رسالہ کے مطالب کو حرزِ جاں بنایا ہے۔ رسالہ قدسیہ کے متعدد خطی نسخے ممالک اسلامیہ کے قدیم کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ مگر ہمارے سامنے محبوب المطابع دہلی ۱۳۰۳ھ کا طبع شدہ رسالہ رہا۔ جو اپنے اغلاط اور طابع و ناشر کی بے پرواہی کی وجہ سے ذوقِ سلیم پر گراں بار بنا۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی نے پروفیسر محمد اقبال صاحب ایم۔اے گورنمنٹ کالج راولپنڈی کے مقدمہ، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ ۱۹۷۵ء میں رسالہ قدسیہ کا متن مناسب صحت و سند کے ساتھ

شائع کیا۔ چنانچہ ترجمہ کرتے وقت اس کے متن سے جو آسانی ہمیں میسر آئی وہ فاضل مرتب کی قابلیت کی مرہونِ منت ہے۔

پروفیسر محمد اقبال صاحب ملک کی تحقیق کے مطابق اس رسالہ کا قدیم ترین محفوظ متن نویں صدی ہجری میں تحریر کردہ ہے۔ اس رسالے کے قلمی نسخے ایا صوفیہ (استنبول)، قاہرہ (مصر) اور لندن اور تہران کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایا صوفیہ کا قلمی نسخہ ۸۵۵ھ میں کتابت کیا گیا۔ تہران میں آستانہ قدس رضوی کا نسخہ ۹۰۲ھ میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا اور کابل افغانستان کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ نسخہ محرم ۹۱۳ھ کا بخط محمد بن احمد تحریر شدہ موجود ہے۔

ان قدیم نسخوں کے علاوہ اسی رسالے کا ایک ایک خطی نسخہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور۔ اسلام آباد یونیورسٹی لائبریری اسلام آباد۔ سید پیر حسام الدین راشدی کے ذاتی کتب خانہ۔ قاضی صدر الدین ہری پور کے نجی کتب خانہ میں موجود ہے۔ جناب ڈاکٹر غلام مصطفی خان نے نقشبندی سلسلہ کے بعض رسائل ترتیب دے کر حیدر آباد سے شائع کرائے تھے۔ ان میں بھی رسالہ قدسیہ شائع ہوا تھا۔

ترجمہ کرتے وقت جن رسالوں نے ہمیں خصوصی امداد دی وہ مولانا گلاب الدین صاحب لاہوری۔ اور حافظ محمد اشرف صاحب مجددی مالک مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ کے ذاتی مطالعہ کے نسخے تھے۔ ان دو مجددی بزرگوں نے رسالہ قدسیہ اور دیگر رسائل نقشبندیہ کے ترجمہ اور اشاعت میں جتنا تعاون اور اصرار کیا وہ میری زندگی کو مصروفیت کے پردوں کے ہٹانے کے لیے کافی تھا۔ ساتھ ہی ان احباب نے جب اپنے نادر و نایاب نسخے مجھے عنایت کیے تو میں ان کے چہروں کے تاثرات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

پارۂ دل زما جدا شدہ است

قصرِ عارفان (بخارا) کی روحانی ضیاؤں نے دنیائے اسلام کو منور کیا۔ انہیں ضیاؤں سے عالمِ اسلام کے آسمانِ علم و معرفت پر آفتاب و ماہتاب چمکے۔ شہنشاہِ نقشبند خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ نے سلسلۂ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی، پھر سلسلۂ نقشبندیہ کے انفاسِ قدسیہ کی تربیت میں شب و روز کام کیا۔ جو حضرات یہاں سے تربیت پا کر نکلے ان کے فیوض و برکات صدیوں تک عالمِ اسلام کو فیضیاب کرتے رہے۔ قصرِ عارفان کے تربیت یافتہ حضرات بخارا سے اٹھے۔ تو ایران، افغانستان، ترکی، شام اور دیگر بلادِ عجم سے بڑھ کر برِصغیر پاک و ہند پر چھا گئے۔ ان کی کوششوں سے نقشبندیہ سلسلہ کی بارگاہیں قائم ہوئیں، جنہوں نے اسلام اور عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کے قلوب و اذہان کو مالا مال کر دیا۔

* * *

بخارا صدیوں سے اسلامی علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین نے اسلام کے جلیل القدر فرزندوں کو پرورش کیا۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (محدثِ اعظم) شیخ بیدار، امام محمد شیبانی، امام محمد البدمونی، محمد بن فضل، سید علی ہمدانی، قدس اسرارہم کے علاوہ ہزاروں احباب علم و معرفت اسی عروس البلاد سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہاں سے اسلامی علوم و فنون کے چشمے پھوٹے، جو چہار دانگ عالم کو سیراب کرتے گئے۔ تاتاریوں کے سیلاب نے اسی شہر کو تہہ و بالا کیا۔ بقول صاحبِ تاریخِ بخارا "آمدند، کندند، سوختند، کشتند، بردند و رفتند" تاتاریوں کا طوفان بے پناہ آیا۔ اس نے بخارا کو اکھاڑا، جلایا، قتلِ عام کیا، لوٹا اور چلتے بنے۔ تاتاری طوفان مدہم ہوئے ابھی نصف صدی گزرنے نہ پائی تھی کہ امیر تیمور جیسا فاتح اسی سرزمین سے اٹھا اور یورپ۔ اور ایشیا کی سلطنتوں کو تہہ و بالا کرتا ہوا دنیا پر چھا گیا۔

اسی امیر تیمور کے عہد میں ہمارے خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ نے بخارا سے تین میل دُور قصرِ عارفان کی بنیاد رکھی۔ اور خاک و خون میں تڑپتی ہوئی انسانیت کے زخموں پر روحانیت کی مرہم رکھنے کا کام کیا۔ آپ محرم ۷۱۸ھ میں عزیزاں علی رامتینی (م ۷۲۱ھ) کے عہدِ حکومت میں بخارا میں پیدا ہوئے[1] آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام زین العابدین ابن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے اور سلسلۂ طریقت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسلک ہے[2] آپ کی پیدائش سے کئی سال قبل آپ کے دادا پیر خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ آپ کے مولد کے نزدیک سے گزرتے۔ تو فرماتے "بوئے معرفت رب العزت ازاں نواحی در مشام جان می رسد"[3]

[1] رشحات، علی بن الحسین الواعظ الکاشفی۔

[2] ملک محمد اقبال پروفیسر گورنمنٹ کالج راولپنڈی کی تحقیق کے مطابق آپ کا سلسلۂ طریقت سولہ واسطوں سے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ملتا ہے:۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند (۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ قصرِ عارفان)، خواجہ امیر کلال (۸ جمادی الاول ۷۷۲ھ سوخار بخارا) خواجہ محمد بابا سماسی (۱۰ جمادی الثانی ۷۵۵ھ سماس بخارا) خواجہ عزیزاں علی رامتینی (۲۸ ذیقعدہ ۷۲۱ھ خوارزم) خواجہ محمود ابوالخیر فغنوی (۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ موابکنی بخارا) خواجہ محمد عارف ریوگری (یکم شوال ۶۱۶ھ ریوگر بخارا) خواجہ عبدالخالق غجدوانی (۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ غجدوان) ابویوسف ہمدانی (۲۸ رجب ۵۳۵ھ مرو) حضرت ابوعلی فارمدی (۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ طوس) حضرت ابوالحسن (۱۰ محرم ۴۲۵ھ خرقان) حضرت بایزید بسطامی (۱۴ شعبان ۲۶۱ھ بسطام) حضرت امام جعفر صادق (۱۵ رجب ۱۴۸ھ مدینہ منورہ) حضرت قاسم بن محمد (۲۴ جمادی الاول ۱۰۶ھ میاں مکہ و مدینہ) حضرت سلمان فارسی (۱۰ رجب ۳۳ھ مدائن) حضرت سیدنا ابوبکر صدیق (۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ مدینہ منورہ) حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مدینہ منورہ) تفصیل کیلئے مقدمہ رسالہ قدسیہ مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔)

[3] قصرِ عارفان از مولوی احمد علی صفحہ ۱۲۸۔

آپ ہر بار قصرِ ہندواں سے گذرتے تو فرماتے "اس سرزمین سے کسی مردِ حق کی خوشبو آرہی ہے۔" ایک دن آپ کے پیر و مرشد حضرت سید امیر کلال قصرِ ہندواں جاتے ہوئے قصرِ عارفاں کے قریب سے گزرے تو فرمانے لگے "آج وہ خوشبو تیز آ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مردِ حق پیدا ہو گئے ہیں۔" وہیں قیام پذیر ہوئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ خواجہ بہاؤالدین کو پیدا ہوئے تین دن ہو گئے ہیں۔

آپ کے والدِ مکرم سید محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ بہاؤالدّین کی پیدائش کے تیسرے روز خواجہ محمد بابا سماسی اپنے احباب کے ساتھ قصرِ ہندواں میں تشریف فرما ہوئے۔ مجھے آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ میرے دل میں آیا کہ نومولود کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ چنانچہ بہت سے احباب کی موجودگی میں بچے کو لے گیا اور حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا "یہ بچہ ہمارا بیٹا ہے اور ہم اسے اپنی فرزندی میں قبول کرتے ہیں۔" پھر آپ نے تمام احباب کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ وہی مردِ حق ہے۔ جس کی خوشبو ہمیں ایک مدت سے مشامِ جان کو لبھا رہی تھی۔ یہ مقتدائے روزگار ہوگا۔ پھر آپ نے خواجہ امیر سید کلال کو فرمایا "میرے اس بیٹے کی تربیت اور شفقت میں کوئی کمی نہ چھوڑنا۔ اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو ہم تمہیں معاف نہیں کریں گے۔" امیر نے وعدہ کیا۔ کہ اگر میں نے اس معاملہ میں کوتاہی کی تو مجھے مرد نہ کہنا۔[۱]

*

حضرت خواجہ بہاؤالدین اور ان کے والد کمخوابی پر نقشبندی کا کاروبار کرتے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کے جدِ امجد نے آپ کو حضرت بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سماس بھیجا تاکہ آپ کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہو سکے۔ حضرت خواجہ

[۱] نفحات الانس۔ عبد الرحمٰن جامی۔ صفحہ ۳۸۰۔

[۲] ایضاً " " صفحہ ۳۸۰۔

اپنے رسالہ البہائیہ میں بیان کرتے ہیں کہ آپ کی زیارت سے مجھے اوّلین اثر یہ ہوا۔ کہ اسی رات میرے اندر نیازمندی اور انکساری کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ میں اٹھا مسجد میں گیا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور سربسجود ہو کر تضرع و نیاز میں ڈوب گیا۔ دعا کی۔ اے اللہ! مجھے اپنی محبت کا بوجھ برداشت کرنے کی قوت عطا فرما۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ "بیٹا! دعا یوں کرنا چاہیئے تھا کہ "اے اللہ! جس کام میں تیری رضا ہے وہ مجھے عنایت فرما۔ اور اپنے فضل و کرم سے قوت برداشت دے۔" اگر وہ اپنی حکمت سے کوئی ابتلا دے گا تو اس کی برداشت کی قوت بھی دے گا۔ خود کسی مصیبت یا بوجھ کو طلب کرنا درست نہیں۔ ایسی گستاخی نہیں کرنا چاہیئے۔" کھانا کھانے کے بعد حضرت خواجہ نے مجھے ایک روٹی عنایت کی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے۔ ایک ساعت کے بعد اپنی منزل پر پہنچنا ہے۔ اس روٹی کی کیا ضرورت۔ سفر پر نکلے میں آپ کی رکاب تھامے ساتھ تھا۔ میرے دل میں جو بھی خدشہ یا خیال آتا۔ تو آپ فرماتے۔ دل کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔[۱]

ہم جوئے مولیاں کے باغات میں پہنچے۔ ایک مخلص دوست کے گھر قیام ہوا۔ صاحبِ خانہ نہایت عاجزی، انکساری اور خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ مگر اس میزبان کی بیوی نہایت پریشانی میں کبھی اندر جاتی تھی اور کبھی باہر آتی تھی۔ آپ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگی۔ ہمارے گھر صرف دودھ ہے مگر کھانے کو کوئی چیز نہیں۔ آپ نے مجھے آواز دی اور کہا وہ روٹی تو لاؤ۔ میں نے روٹی پیش کی اور دل میں کہا۔ آخر یہ روٹی کام آگئی۔ میرے دل میں اعتقاد کی قوت زیادہ بڑھ گئی۔

*

حضرت امیر کلال قدس سرہ نے حضرت خواجہ نقشبند کی تربیت میں خصوصی

[۱] نفحات الانس۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی۔ صفحہ ۳۸۱۔

توجہ فرمائی۔ عزیزاں خواجہ علی رامیتنی کی کلاہ مبارک آپ کو عنایت فرمائی ۔ اور فرمایا "بابا ہمیں حضرت بابا سماسی نے وصیت کی تھی کہ آپ میرے بیٹے بہاؤ الدین کی تربیت میں کوتاہی نہ کرنا۔ آج میں اس فریضہ کی تکمیل کر رہا ہوں"۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز اس روحانی تربیت کے دوران بہت سے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ وقت کے چند بزرگان دین کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کی نگاہ خاص کے علاوہ آپ کو حکیم اتا رحمۃ اللہ علیہ کی نوازشات نے خصوصی طور پر آپ کی تربیت میں حصہ لیا۔ حضرت خلیل اتا قدس سرہٗ جو صاحب کشف الصدور تھے آپ پر بے پناہ شفقت فرمایا کرتے۔ آپ اگر کچھ عرض کرنا چاہتے تو حضرت اتا فرماتے "آنچہ در خاطر تست پیش من عیاں است۔ حاجت بیاں نیست" جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ مجھ پر واضح ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔" حضرت خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ مجھے آپ کی صحبت میں رہتے ہوئے احوال شگرف اور چیزیں عجیب وغریب مشاہدے میں آئیں۔" ایک وقت آیا۔ کہ حضرت اتا قدس سرہٗ چھ سال تک ماوراالنھر کی سلطنت کے مالک بنے۔ تو حضرت خواجہ آداب سلطنت کی رعایت کے باوجود صحبت خاص کے محرم و جلیس رہے۔

سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت حضرت خواجہ کے ابتدائی حالات میں ایسے حالات ملتے ہیں جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ شاہ نقشبند بزرگان سلسلہ کی نگاہ میں بے حد محبوب تھے اور آپ پر عنایات الٰہیہ کی بارشیں برستی رہیں۔ ایسے واقعات کی تفصیل کے لیے مولانا جامی کی نفحات الانس۔ حضرت واعظ الکاشفی کی رشحات اور پھر حضرت خواجہ نقشبند کا رسالہ البھائیہ کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

آپ ایک طرف تو حضرت امیر کلال قدس سرہ کے زیر تربیت تھے دوسری طرف آپ کو خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کی اویسیت حاصل تھی۔ آپ خواب میں براہ راست آپ کی مجالس فیض سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا موقعہ ملتا۔ بعض اوقات ایسی مجالس میں خواجہ احمد صدیق، خواجہ اولیا کلاں، خواجہ عارف ریوگروی، خواجہ محمود ابوالخیر فغنوی، خواجہ علی رامیتنی قدس سرہٗ ارواحھم کی زیارت ہوتی۔

صاحب انیس الطالبین نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ حضرت امیر کلال کی خدمت میں جا رہے تھے بخارا سے روانہ ہوئے۔ رباط جعفراتی میں پہنچے تو ایک سوار سے ملاقات ہوئی جس کے ہاتھ میں گلہ بانوں جیسی بہت بڑی لاٹھی تھی۔ اور سر پر نمدے کی ٹوپی۔ آپ کے پاس آکر ترکی زبان میں کہنے لگا۔ تم نے گھوڑے دیکھے ہیں، شاہ نقشبند نے توجہ نہ کی اور اپنی راہ پر چلتے رہے۔ مگر وہ سوار آپ کا پیچھا کرتا رہا اور کئی بار آپ کے لیے تشویش کا باعث بنا۔ آپ نے ایک دفعہ اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو۔ یہ شخص رباط قزاول تک آپ کے پیچھے آتا رہا اور کہتا رہا۔ میرے پاس ٹھہرو مگر آپ نے التفات نہ فرمایا"۔ آپ حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ بیٹا راستے میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف بھی التفات نہیں کیا۔ آپ نے عرض کی۔ میں تو آپ کی ذات کی طرف متوجہ تھا۔ حضرت خضر کی ذات مجھے متاثر نہیں کر سکی۔

آپ نے اس راہ میں بے پناہ ریاضت اور مجاہدے کیے۔ قصر عارفان میں بسا اوقات پرانے بوریے پر شکستہ کوزے کے ساتھ اور فاقہ کشی میں یاد خداوندی میں گزارے۔ قوت حلال کی طلب میں بڑی احتیاط فرماتے ریاضت کو خفیہ رکھتے۔

اپنے احوال سے کسی کو واقف نہ ہونے دیتے۔

حضرت سید امیر کلال قدس سرہٗ نے اپنی ساری زندگی آپ کی تربیت اور روحانی نشو ونما میں صرف کر دی۔ ایک دن ایک بہت بڑے مجمع میں جس میں اولیا کرام اور ممتاز علما وقت موجود تھے۔ حضرت خواجہ کو طلب فرمایا گیا اور مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! بہاؤ الدین! میں نے خواجہ بابا سماسی قدس سرہٗ کے احکام کے مطابق ان تمام فرائض اور حقوق کی بجا آوری کا حق ادا کیا ہے جو میرے ذمہ لگائے گئے تھے۔ پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "میں نے اپنے پستان کو تمہاری تربیت اور پرورش کے لیے خشک کر لیا ہے تاکہ تمہارا مرغ روحانیت بشریت کے انڈے سے باہر آجائے۔ تمہارا مرغ ہمت بہت بلند پرواز واقعہ ہوا ہے۔ اب تمہیں فضائے روحانیت میں آزادانہ پرواز کرنے کی اجازت ہے۔ ترک و تاجیک سے جہاں سے بھی تمہیں روحانی غذا ملے اس کے حاصل کرنے میں تقصیر و تساہل نہ کرنا"[1]

حضرت امیر کلال قدس سرہٗ اپنی زندگی کے آخری حصے میں اپنے اصحاب و احباب کو خواجہ نقشبند کی اتباع اور حصول فیض کی تلقین فرمایا کرتے۔

حضرت سید امیر کلال رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند آپ کے خلیفہ خواجہ عارف دیک کرانی قدس سرہٗ کی صحبت میں سات سال تک رہے۔ آپ خواجہ عارف کا بے پناہ ادب اور لحاظ فرمایا کرتے۔ حتیٰ کہ شیخ عارف قدس سرہٗ دریا کے کنارے وضو فرمانے لگتے۔ تو خواجہ نقشبند رحمہ اللہ علیہ ادباً پانی کے بہاؤ کی طرف بیٹھ کر وضو کرتے۔ راہ حجاز میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرتے۔ خواجہ امیر کلال قدس سرہٗ دونوں خلفاء کے متعلق فرمایا کرتے۔ کہ میرے

[1] نفحات الانس۔ حضرت مولٰنا عبدالرحمٰن جامی۔ صفحہ ۳۸۲

خلفاء میں سے ان دونوں کے مقامات کو کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا[1]

حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ نے حضرت خواجہ عارف دیک کی صحبت میں رہتے ہوئے بہت سے مجاہدے کیے اور کچھ عرصہ کے بعد شیخ قثم رحمہ اللہ کی خدمت میں رہے جہاں روحانی فیوض حاصل کرتے رہے۔

آپ ایک عرصہ تک ریاضت اور مجاہدہ میں رہے۔ وہ صرف صوفیا کرام کی صحبت میں رہتے۔ علماء بخارا آپ سے متعارف نہیں تھے مگر آہستہ آہستہ آپ کی شہرت علمی دنیا میں پہنچی۔ مولانا حسام الدین خواجہ یوسف رحمہ اللہ نے علماء کرام کی ایک جماعت کو آپ کے کمالات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اس وقت کے چند علماء کرام میں سے مولٰنا قاضی سلطان، مولٰنا سیف الدین خوارزمی، شیخ نورالدین عبدالرحمٰن، مولٰنا محمد ہروی شیخ شادی، شیخ خسرو، شیخ امیر حسین، مولٰنا جلال الدین خالدی، مولٰنا عبدالعزیز آپ کے ہم مجلس رہے[2]

آپ نے کئی بار سفر حج فرمایا۔ علماء کرام کی مجالس سے مستفیض ہوئے، مشائخ کی مجالس خاص میں رہے اور خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔

آپ کے وجود مسعود سے ہزاروں کرامات کا اظہار ہوا ہے۔ جس کی تفصیل نفحات الانس اور رشحات میں موجود ہے۔ آپ فرمایا کرتے "انبیاء کرام کے لیے اعلان معجزات نبوت فرض ہے۔ لیکن اولیاء کرام کے لیے کتمان کرامات ولایت فرض ہے۔" باایں ہمہ بعض اوقات آپ سے ایسے خرق عادات واقعات ظہور پذیر ہوئے جنہیں ہم کرامت کی اصطلاح سے ہی یاد کر سکتے ہیں۔ ایک بار لوگوں نے آپ سے

[1] رشحات۔ صفحہ ۴۹۔

[2] انیس الطالبین۔ خطی۔ صفحہ ۵۳ — ۱۱۹۔

کرامت کے اظہار کا مطالبہ کیا۔ آپ فرمانے لگے۔ "اس سے بڑھ کر اور بھاری کرامت کیا ہوسکتی ہے۔ کہ، "باوجود چندیں بار گناہ بر روئے زمین می توانیم رفت" (اتنے گناہوں کے بوجھ کے باوجود ہمیں زمین برداشت کر رہی ہے۔) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں (دفتر دوم مکتوب ۹۲) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ امیر تیمور گورگانی بخارا کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ اتفاقاً حضرت خواجہ نقشبند کے خادم خانقاہ نقشبندیہ کی گدڑیوں کو جھاڑ رہے تھے۔ ان کے گرد وغبار سے ساری گلی اٹی پڑی تھی۔ امیر تیمور از رہ عقیدت اسی گرد وغبار میں کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک یہ گرد بیٹھ نہیں گئی۔ پھر کہنے لگے۔ اہل اللہ کے کوچے کی گرد وغبار عنبر وصندل کی خوشبو سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوائے باشد!

آپ کے لقب نقشبند کی وجہ تسمیہ کے متعلق کئی روایات ملتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے والد مکرم کمخاب بافی کرتے تھے اور اس پر نقش نگار کرتے۔ یوں آپ کا نام نقشبند مشہور ہو گیا۔[۱] آپ ایک بار مولانا زین الدین ابوبکر قدس سرہٗ کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ مولانا نے فرمایا۔ حضرت ہمارے لیے بھی ایک نقش بنائیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ ہم تو نقش لینے کے لیے آئے ہیں۔ اس دن سے آپ کو نقشبند کہا جانے لگا۔[۲] شیخ عبداللہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف خوارق الاحباب فی معرفۃ الاقطاب میں لکھا ہے کہ جناب غوث الاعظم کی توجہ خاص سے (جو خواجہ نقشبند کی پیدائش سے

---

[۱] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ ولی اللہ محدث دہلوی صفحہ ۱۲۔
[۲] سفینۃ الاولیاء۔ شہزادہ داراشکوہ۔

ایک سو ستاون سال پہلے دی گئی تھی) اسم ذات کا نقش آپ کے دل پر ثبت کر دیا گیا تھا۔ اس لیے آپ نقشبند کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے جس سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی تھی وہ دوسرے سلاسل تصوف سے کئی معمولات میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے الفاظ میں یہ سلسلہ اقرب۔ اسبق۔ اوفق۔ اوثق۔ اسلم احکم۔ اصدق۔ اولیٰ۔ اجل۔ ارفع۔ اکمل ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ ارواح اعالیہا و اسرار موالیہا۔[۱] آپ نے مزید لکھا کہ یہ طریقہ التزام سنت۔ اور اجتناب بدعت میں دوسرے سلاسل سے ممتاز ہے۔

نفی وجود طریق جذبہ و سلوک۔ اتباع سنت۔ لازمہ فیض۔ ذکر خفیہ۔ مراقبہ۔ مشاہدہ محاسبہ۔ حصول رضائے الٰہی۔ توکل و کسب۔ تصحیح نیت۔ توحید۔ صحبت با خلق و تعلق باخداوند تعالیٰ۔ جیسے اصول طریقہ نقشبندیہ میں نہایت اہم ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ۔ پیر و مرشد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مؤسس اور بانی حضرت خواجہ خواجگان بہاؤ الدین نقشبند رحمہ اللہ کی بارگاہ میں ان الفاظ میں ہدیہ تحسین پیش کیا ہے۔

ابوالوقت دو عالم قطب ارشاد ۔۔۔ بہاؤالدین کہ دین شد از وے آباد[۲]
زمستی در جنید افگند آشوب ۔۔۔ بہ جذبہ بایزیدش آسمان روب
پئے تسکین مشتاقان دیدار ۔۔۔ جمال مصطفیٰ را آئینہ دار
دراں آئینہ می یابم محقق ۔۔۔ سواؔ من رانی قد رائی الحق
فنا فی اللہ خواجہ بس بلند ست ۔۔۔ مکن تاویل خواجہ نقشبند است

---

[۱] مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۰۔
[۲] کلیات باقی باللہ۔ صفحہ نمبر ۲۲۳۔

خلیفہ بود حق را در زمانہ   مود بش برزخے داں درمیانہ

شہنشاہِ نقشبند حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند انوار سوم ربیع الاول ۷۹۱ھ کو واصل بحق ہوئے۔ لفظ قصرِ عرفان سے ۷۹۱ھ تاریخ وصال برآمد ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند کی اولاد و خلفاء نے طریقہ نقشبندیہ کو عالم اسلام میں رواج دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس طریقہ عالیہ کے فیوض و برکات نے صرف عام مخلوق کو ہی مستفیض نہیں فرمایا بلکہ بعض حکمران بھی زیرِ اثر رہے۔ خاندانِ تیموری تو خصوصی طور پر اس طریقہ عالیہ سے متاثر رہا۔ آپ کے خلفاء میں سے خواجہ علاؤالدین عطار۔ خواجہ محمد پارسا قدس اللہ روحہا کے علاوہ میر سید شریف جرجانی۔ خواجہ علاؤالدین غجدوانی۔ مولانا یعقوب چرخی۔ مولانا شیخ حنانی۔ خواجہ شاہ مسافر خوارزمی۔ مولانا سیف الدین ساری وغیرہم بڑے شہرت یافتہ ہوئے ہیں۔ ان خلفاء گرامی نے قصرِ عارفان سے تربیت پاکر دنیائے اسلام میں اپنے کمالات کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اسلام کی حقیقی روح اور سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر استقامت کے اصولوں کو اسلامی معاشرہ میں فروغ دیا۔ مخلوقِ خدا کی دنیاوی مشکلات کو حل کرنے میں بے پناہ کامیاب کوششیں کیں۔ خاصانِ خدا کی روحانی تربیت کے لیے خانقاہیں قائم کیں۔ اور ان کے فیوض و برکات سے صدیوں تک خلقِ خدا کو فائدہ پہنچایا۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی تالیفات اہل سلسلہ کے لیے مشعلِ راہِ طریقت رہیں۔ مگر یہ تالیفات کتابی یا تحریری شکل میں علمی دنیا کے سامنے نہیں آئیں ہاں آپ کی تالیفاتِ لطیف وہ نابغہ روزگار شخصیتیں ہیں جو آپ کی مجالس سے علم و فضل کی روشنیوں کے خزانے لے کر نکلے اور دنیائے علم و دانش کو روشن کرتے گئے۔ جن مردانِ حق کی تالیفِ قلوب دا ذہان قصرِ عارفاں میں ہوئی وہ تو کتابیں تھے۔ اور ان کی تصانیف نے دنیائے علم و عرفان کو مالا مال کر دیا۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ (مرتب رسالہ قدسیہ)

زیرِ نگاہ رسالہ قدسیہ کے مرتب خواجہ محمد بن محمد بن محمود الحافظی المعروف بہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ العزیز ۷۴۹ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت خواجہ بہاؤالدین شاہ نقشبند قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر قصرِ عارفان میں روحانی تربیت حاصل کی اور سلسلہ نقشبندیہ کے صفِ اوّل کے اکابر میں شمار ہوئے۔ آپ نے اس سلسلہ عالیہ کی ترویج و فروغ کے لیے بے پناہ کام کیا۔ خواجہ نقشبند نے آپ کو خصوصی تربیت اور کامل توجہ سے نوازا۔ آپ اپنے زمانے کے اولیاء اور علماء میں نہایت اہم مقام پر فائز تھے۔ ہزاروں اولیاء اللہ اور علماء وقت آپ کی مجالس سے علم و فضل کی دولت لے کر نکلے۔ قصرِ عارفان کے تربیت یافتہ فرزندوں میں حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ نقشبندیہ پر بڑی جامع تصانیف کی اشاعت کی۔ جو آج تک سلسلہ نقشبندیہ کے اصول و احوال پر بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی تفسیر پر آپ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی۔ پھر قرآن پاک کی آٹھ سورتوں کی تفسیر سورہ ہائے ہشت گانہ کے نام سے لکھی۔ تفسیر سورۂ من جز الملک والیہا تا یٰسین کی تفسیر سورۂ یٰسین لکھی۔

حضرت خواجہ محمد پارسا کی شرح فصوص الحکم۔ رباعیات خواجہ پارسا۔ [illegible] انیس الطالبین۔ کلمات خواجہ پارسا۔ رسالہ کشفیہ۔ رسالہ محبوبیہ۔ عقائد فرق اسلامی۔ آدابُ السالکین۔ رمز الاقطاب۔ فصول ستّہ۔ شرح قصیدہ ابن فارض۔ انفاسِ قدسیہ۔ تحقیقات خواجہ پارسا۔ جامع الکلم۔ مسلک عارفین۔ رسالہ فی طریق ذکر الخفی۔ دنیائے تصوف میں مسلّم اور مستند کتابیں تسلیم کی جاتی ہیں۔

ان رسائل نقشبندیہ کے مجموعہ میں رسالہ قدسیہ آپ ہی کی مرتبہ محبوب کتاب

ہے جس میں حضرت خواجہ بہاوالدین نقشبند کی مجالس خاص کے ملفوظات پر گفتگو کی گئی ہے۔ آگے چل کر یہی تالیف نقشبندی اکابر کے لیے مشعل راہ بنی، اور اسی کو نقشبندی مکتب فکر نے اپنا لائحہ عمل بنایا۔

حضرت محمد پارسا قدس سرہٗ کا تراسی [۸۳] سال کی عمر میں وصال بروز جمعرات ۸۲۲ھ مدینہ منورہ میں ہوا۔ جوار قبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں آسودگی ملی مصر سے سنگ سفید (مرمریں) لایا گیا اور آپ کے مزار کو ممتاز حیثیت دی گئی آپ کی مشہور تالیف فصل الخطاب کے نام پر آپ کا سن وصال فصل خطابی کے اعداد سے نکلتا ہے۔

رسالہ قدسیہ

از ــــــ خواجہ محمد پارسا

بے حد و حساب حمد و ثنا اور بے انداز و قیاس شکر و سپاس اس بادشاہ جل ذکرہٗ کے لیے زیبا ہے۔ کہ جس کے طالبانِ وصال اور مشتاقانِ جمال اس کی ذات اور وجود کی دلیل ہیں۔ اور اس کے شہود کی دلیل اسی کا شہود ہے!

تو بدو بشناس اورا۔ نہ بخود
راہ از وخیزد بدو ونے از خرد

اس کی معرفت تو اس کی ذات سے ہو سکتی ہے۔ اپنے آپ سے اس کی شناخت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کا راستہ تو اسی سے ملتا ہے عقل و خرد سے نہیں ملتا۔

تَلَطَّفْتُ بِاَوْلِيَائِكَ نَعْرِفُوْكَ
وَلَوْ تَلَطَّفْتَ بِاَعْدَائِكَ لَمَا جَحَدُوْكَ

اور بلند مرتبت درود پاک اور تواتر کے ساتھ صلوٰۃ وسلام حضرت سیدی صلی اللہ علیہ وسلم (فداہٗ امی وابی) کو پہنچے جو تمام انبیاء کے سچے پیشوا اور تمام اصفیاء کے راہنمائے مطلق ہیں۔

خواجۂ کونین و سلطانِ ہمہ
آفتاب جان و ایمانِ ہمہ

وہ دو جہاں کے شہنشاہ ہیں اور تمام لوگوں کے سلطان ہیں اور ہمارے ایمان اور جان کے آفتاب ہیں۔

آپ کی آل اصحاب۔ خلفاء اور احباب کے ساتھ ساتھ آپ کے محبان اور متابعان کے لیے بھی درود ہو۔ اجمعین الیٰ یوم الدین۔

اما بعد۔ یہ چند کلمات انفاسِ نفیسہ اور الفاظِ متبرکہ حضرت گرامی قدر جناب شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیے جا رہے ہیں۔ آپ کی ذات والاصفات ارشاد و ہدایت کی مسند کی صدر نشیں ہے۔ ولایت کے خصائص اور تعریفات کی جامع ہے۔ آپ زمانے کے ملاذی و ملجا ہیں۔ اہلِ حقیقت و عرفان کے قطب ہیں۔ صفاتِ ربانی کے مظہر ہیں۔ اور اخلاقِ سبحانی کے مورد ہیں۔

گشت بے کبر یا و ریا و کینۂ	روح قدسی از رُخش آئینۂ
و آن لقائے او جواب ہر سوال	مشکل از و سحل شود بے قیل وقال
وَعَلَى تَفَنُّنِ وَاصِفِيْهِ لِحُسْنِهِ	يَفْنِى الزَّمَانُ وَفِيْهِ مَا لَمْ يُوْصَفُ
اَرَدْتُ لَهُ قَدْحًا فَمَا مِنْ فَضِيْلَةٍ	تَأَمَّلْتُ اِلَّا جَلَّ عَنْهَا وَقَلَّتْ

یعنی اعلیحضرت قدوۃ العارفین۔ محققین کی آنکھوں کا نور، انبیاء و مرسلین کے وارث، شیخنا و سیدنا شیخ بہاء الحق والدین محمد بن محمد البخاری المعروف بہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ روحہ وطیب مشہدہ ونور ضریحہ ونفعنا بحبتہ والاقتداء بسیرتہ۔

یہ آپ کے لطائف معارف کے بعض ارشادات ہیں۔ جو آپ کی مجالس میں بعض اقوال کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ اور (صحبت علی الدوام فی اللیالی والایام) آپ کی زبان مبارک سے بیان ہوتے رہے۔ بندہ ضعیف (مؤلف) محمد بن محمد الافخی البخاری (وفقہ اللہ تعالیٰ سبحانہ لما یحبہ ویرضاہ) ان کلمات قدسیہ میں بعض اقوال کو از رہ صدق و ارادت اور برائے برکت و تیمّن ضبط تحریر میں لا تا رہا ہے۔ آپ اپنے عزیز احباب کے حکم اور اشارہ (متعنا اللہ تعالیٰ بلقایم و ادام برکات بقایم) پر ان پاکیزہ کلمات میں چند ایک کو تبرکاً احاطہ تحریر میں لا رہا ہے۔ تاکہ مخلصان خاص اور

طالبانِ صادق ان کلمات طیبات کو گوشش گزار کر سکیں۔ آپ کو یوں محسوس ہو گا۔ گویا آپ حضرت کی مجالس میں شرف باریابی پا کر بذاتِ خود یہ باتیں سن رہے ہیں۔

آپ کے احوال و مقامات شریفہ۔ اور کرامات و آثار عجیبہ کا تذکرہ اوّل سے آخر تک اکثر بیان میں آچکا ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر حالات نوک زبان خواص ہیں۔ اگرچہ اس وقت قلب و روح اس بات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کہ احوالِ طیبہ کے گلستان کی نسیم جانفزا، طالبانِ صادق کے مشامِ دل و جان کو معطر کرے۔ اور دلوں اور جانوں کو اس سے راحت ملے۔ اور بموجب عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ (نیک لوگوں کے تذکرہ سے رحمتِ خداوندی نازل ہوتی ہے) اس تذکرہ سے فیض خداوندی حاصل کرنے کی امید اور رحمتِ الٰہی اور اس کے فیض نامتناہی کے نزول کی آرزو ہے۔ لیکن اس وقت ہم نہایت اختصار سے بیان کریں گے۔

خموش وزیر زبان ختم کن تو باقی را	کہ نیست درخور آن گشت عقل سودائی
خموش وزیر زبان ختم کن تو باقی را	کہ ہست بر توکل غیور لا لا لی

حقیقت ہے کہ اس طائفہ مبارکہ کی باتیں ذوق و وجد پیدا کرتی ہیں۔ اور ان کے حفظ و اذکار سے حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ اہلِ بصیرت فرماتے ہیں:

فقہ اللہ اکبر و برہانہ الاظہر۔

یعنی اہلِ بصیرت کو جو یقین ان بزرگانِ دین کی باتوں میں غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ نہایت قوی اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ یہ یقین خوارقِ عادات یا کرامات کے مشاہدے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا:

موجب ایمان نباشد معجزات	بوئے جنسیت کند جذب صفات
معجزات از بہر قہر دشمنست	بوئے جنسیت پے دل بردنست

چونکہ اس طائفہ عالیہ کی باتیں کلام الٰہی کا پرتو ہوتی ہیں۔ اسی لیے ان کی پوری کیفیت

اور صفت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اکابر میں سے ایک نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْاِنْسَانَ الْکَامِلَ مُعَلِّمَ الْمَلَکِ وَاَدَارَ تَشْرِیْفًا وَتَنْزِیْہًا بِاَنْفَاسِہِ الْفَلَکَ

یعنی اُس اللہ کو تمام تعریفیں ہیں جس نے انسانِ کامل کو معلم الملکوت بنایا اور اُسے خلعت شرف وکمال سے نوازا۔

اُس کے باوجود بعض منکرین نے قرآن پاک کو اساطیر الاولین کہا ہے۔ اور پھر یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَہْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا انہیں لوگوں کے لیے کہا گیا ہے۔ چنانچہ اِس طائفہ کی باتیں ایسی ہیں۔ جیسے کَنِیْلِ الْمِصْرِ مَاءٌ لِلْمَحْبُوْبِیْنَ وَبَلَاءٌ عَلَی الْمَحْجُوْبِیْنَ۔ اہلِ محبت کے لیے نیلِ مصر کے پانی کی طرح ہیں مگر بیگانہ محبت کے لیے تو ایک مصیبت ہیں ؎

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است
وانکہ دیدش نقد خود۔ مردانہ است
آب نیل است و بہ قبطی خون نمود
قوم موسیٰ را نہ خوں بود۔ آب بود
دشمن ایں حرف وایں دم در نظر
شد ممثل سرنگوں اندر سقر
گر تو مرد رازجوئی راز جو
جان فشان و خوں گیری و باز جو

جو شخص افسانہ پڑھتا ہے۔ اس کے سامنے ایک قصہ نظر آتا ہے مگر جو شخص اپنی ذات میں غور کرتا ہے وہ مردِ کامل بن جاتا ہے
دریائے نیل کا پانی فرعونیوں کو خون نظر آیا تھا لیکن یہی خونی دریا حضرت موسیٰ کی قوم کے لیے پانی تھا۔
ان کلمات کے مخالفین ظاہری نظر آتے ہیں مگر ایسے لوگ ہی جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔
اگر آپ مردِ حق ہیں تو راز کی تلاش کرو۔ جانفشانی کرو۔ جگر سوزی کرو۔ اور اللہ کو پالو۔

دل کو علائق وعوائق اور مشاغلِ دنیا سے پاک وصاف کرنے کے بعد تھوڑا سا غور کیا جائے۔ تو آپ کی باتوں کے ظاہری معانی سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اور اسی سمجھ سے حقیقی معانی کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ اور اجمالِ حقیقت حاصل ہو جاتا ہے۔

کیونکہ اس طائفہ (اہل اللہ) کی باتیں علم وراثت کے عالم سے آتی ہیں۔ یہ ظاہری علوم سے حاصل نہیں ہوتیں۔ ان کا بیان اس طریقہ پر ہوتا ہے۔ کہ جس قدر اس طریقہ پر سے علم کی زبان یا علم کی عبارت کی زبان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں تو ذوق کی زبان اور اشارات کے نشان سے کام لیا جاتا ہے۔ جب تک حقیقتِ حال کی شرح اس کے کانوں تک نہ پہنچی ہو۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ

وَمَا زَادَ بَیَانُہُمْ عِنْدَ سُکْرِہٖ فَاِنَّ الْاَعْرَابَ عِنْدَ بِغَیْرِ ذَائِقَۃٍ سَتْرٌ وَّالْاِظْہَارُ بِغَیْرِ وَاجِدَۃٍ اِخْفَاءٌ

کہنے والوں کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ ذوق اور شوق میں اضافہ کر لیا جائے کیونکہ اس قسم کی باتیں طالبانِ حق کی طلب کو قوت دیتی ہیں۔ اور ان کی ہمت میں اضافہ کرتی ہیں۔ اگر کسی کے دماغ میں تکبر کی بو ہوتی ہے۔ تو اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور اپنے افلاس اور تہی دستی کو دیکھنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ بعض مشائخ رحمہم اللہ نے کیا خوب فرمایا:

لَا تَزِنِ الْخَلْقَ بِمِیْزَانِکَ وَزِنْ نَفْسَکَ بِمِیْزَانِ الصِّدِّیْقِیْنَ لِتَعْلَمَ فَضْلَہُمْ وَاَفْلَاسَکَ۔

(مخلوق کو اپنے میزان سے نہ تولا کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو صدیقین کے میزان اور پیمانہ سے تولا کرو۔ تاکہ تمہیں ان کی فضیلت اور اپنے افلاس کا علم ہو جائے۔)

شیخ شہید مجد الدین بغدادی قدس سرہٗ دعا کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! تیرا کوئی کام کسی علت کا محتاج نہیں مجھے اس قوم سے بنا۔ یا مجھے ان لوگوں کو دیکھنے والوں سے ہی بنا۔ میں کسی دوسری قسم کی ہمت اور طاقت نہیں رکھتا۔

گر نیم مرغان رہ را ہیچ کس ذکر ایشاں کردہ ام ابہم زبس

گر نیم زیشاں از ایشاں گفتہ ام   خوش دلم کیں قصہ از جاں گفتہ ام

شیخ امام عارف ربانی ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے پوچھا حضرت! جب اہل اللہ ہم سے روپوش ہو جاتے ہیں۔ تو ہمیں کیا کرنا چاہیے تاکہ ہم سلامت رہ سکیں! آپ نے فرمایا۔ ان کی باتیں دہراتے رہو۔ صدیقوں میں سے ایک نے کہا تھا۔ کہ کاش کوئی ایسا شخص ملے جو بندگانِ خدا کی باتیں کرتا جائے اور میں سنتا جاؤں۔ یا میں سناتا جاؤں اور وہ سنتا رہے۔ اگر جنت میں اہل اللہ کے متعلق گفتگو نہیں ہوگی۔ تو ہمیں جنت سے کیا کام جذبات مواجیہ کا اقتباس تو انہیں کے انفاس طیبہ سے ہو سکتا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاً

گر ندارم از شکر جز نام بہر   ایں بسے بہتر کہ اندر کام زہر
آخرم زاں کارواں گردے رسد   قسم من زاں رفتگاں دردے رسد
نطقہا نسبت با و قشر است نیک   پیش دیگر فکرہا مغز است نیک
آسماں نسبت بعرش آمد فرود   ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

یہ کلمات قدسیہ اگرچہ کم الفاظ میں ادا ہو رہے ہیں۔ مگر بڑے وسیع معانی کے حامل ہیں وَالْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ وَالْجُرْعَۃُ تُنْبِئُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِیْرِ

(تھوڑی چیز بڑی چیز کی دلالت کرتی ہے۔ اور ایک گھونٹ بحر بے کراں کا پتہ دیتا ہے)

قدوۃ الکبار۔ شیخ بزرگوار۔ شیخ ابو عبد الرحمن سلمی نیشاپوری قدس سرہٗ نے جو "حقائق تفسیر" اور "طبقات مشائخ"، جیسی معروف کتابوں کے مصنف ہیں۔ طبقات مشائخ میں ایک ایک بزرگ کے بیس بیس اقوال بیان کیے ہیں۔ اور ان اقوال کو صاحب نظر اہل بینش و دانش حضرات نے سامنے رکھا۔ یہ اقوال

ان مشائخ کی سیرت طیبہ سلسلۂ طریقت اور ان کے علوم و احوال پر روشنی ڈالتے ہیں ان اقوال میں بعض علوم و معارف ایقان جن پر ان مشائخ کے سلوک اور سیرت کی اساس ہے ان کا ذکر کیا ہے۔ وَلَنَا فِیْہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ تَقْلِیْلِ الْکَلَامِ مَعَ الدَّلَالَۃِ عَلَی الْمَرَامِ

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

اگر ان کلمات قدسیہ کی بعض مقامات پر مختصر سی شرح کی خدمت پڑے تو بہتر ہے کہ اس شرح کو اہل اللہ کے پاکیزہ کلمات اور ملفوظات کی استمداد و استعانت سے ہی کیا جائے فَاِنَّ الْکَلَامَ الْمَشَائِخِ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضاً اس شرح و متن کی تمیز یوں کی جاتے۔ کہ متن کو خط کشیدہ الفاظ میں بیان کیا جائے۔

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ
زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

یہ ضعیف اپنے اندر یہ قوت نہیں پاتا۔ کہ بذات خود اس عمل پر اقدام کرے۔ مگر قدوۃ اہل اللہ۔ صفوت اصحاب الانتباہ۔ سند ارباب الطریقت۔ موضح رموز اہل حقیقت۔ اسوۃ طلاب الیقین۔ خواجہ علاء الحق والدین محمد بن محمد البخاری المشتہر بہ عطار اطال اللہ مدت الحیوۃ وافاض علی المسترشدین انوار برکاتہ کے حکم سے اشارہ پاکر اس مختصر سے وقت میں شرحوں کی املا کرنا مناسب خیال کرتا ہے۔ اگر ان کی امداد روحانی اور نگاہ قبولیت شامل حال رہی۔ تو کامیاب رہوں گا۔

ایں سخن را چوں تو مبدا بودۂ   گر فزوں گردد تواش افزودۂ
دیدۂ غیبت چو غیب است اوستاد   کم مبادا از جہاں ایں دید و داد
شرح تو حیف است با اہل جہاں   ہمچو راز عشق دارم در نہاں
لیک گفتم وصف تو تا رہ برند   پیش از آں کز فوت آں حسرت خورند

ہو سکتا ہے۔ کہ شرح بیان کرتے وقت یا املا کے وقت اس مقصدِ حنیف کا وجود درمیان میں نہ آ سکے۔ یہ تالیف اور تصنیف ان صاحبِ نظر بزرگانِ دین کی دعواتِ صالحہ کا ثمرہ ہو۔ اور یہی درجات کی بلندی اور قربت کا ذریعہ ہے۔ وبہٖ سُبحانہ الحول والقوۃ۔

کلماتِ القدسیہ

"مسلمانی اور احکام کا نفاذ۔ تقویٰ کی رعایت۔ عمل میں عزیمت۔ اور حق المقدور رخصتوں (یا رعایتوں) سے دور رہنا۔ تمام نور۔ صفا اور رحمت ہیں۔ اور ولایت کے درجات کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ ان صفات کی پرورش سے ہی اولیاء اللہ کے مقامات اور منازل تک رسائی ہو سکتی ہے۔"

شرح ہمارے خواجہ قدس سرہٗ نے مندرجہ بالا کلمات میں جو کچھ فرمایا ہے اس میں اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ جو آپ کو اپنے حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ روحہٗ سے سنا ہے۔ اور مشاہدہ اور خواب میں یہ اشارات پاتے ہیں۔ ہمارے خواجہ قدس اللہ روحہٗ نے خواب میں یوں دیکھا۔ کہ آپ کے احوال کے ابتدائے کار اور غلبۂ جذبات کے دوران میں مزاراتِ مقدسہ میں سے تین مزارات پر پہنچے۔ ان مزارات میں آپ نے جذب کی کیفیت محسوس کی۔ پہلا مزار تو بخارا کے نواح میں ہے۔ جو حضرت خواجہ محمد واسع رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ آپ تبع تابعین میں سے ایک معروف بزرگ تھے۔ آپ کا بلاد ماوراء النہر میں تشریف لانا مستند روایات سے ثابت ہے۔ خواجہ بزرگ (خواجہ عبد الخالق غجدوانی) نے ہمارے خواجہ قدس اللہ روحہما کو خواب

میں یہ حکم فرمایا۔ کہ راہِ عزیمت میں قدم رکھو اور رخصتوں سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ اور متابعت سنت نبوی کرتے رہو۔ بدعتوں سے پرہیز کرو۔ اس کے علاوہ آپ نے وہ ارشادات فرمائے جو سلوک کی ابتدائی، وسطی اور انتہائی ادوار سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہر عمل اور وصیت کے بہترین نتائج دیکھے ہیں۔ اگرچہ آپ عزیمت پر گامزن رہنے پر مامور تھے۔ مگر آپ نے اس بات کو کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا تاہم آپ ان اعمال اور وصیت پر عمل کرنے کی وجہ سے اپنے باطنی احوال میں ترقی کی رفتار کو مشاہدہ کرتے رہے۔ اس واقعہ کی تشریح اور اس خواب کی تفصیل احوالِ عجیبہ اور کرامات کی صورت میں آپ کے مختلف مقامات پر ظاہر ہوتی رہی ہے۔ ان حالات اور مشاہدات کے اثرات کو آپ کے مخلص اور عزیز احباب احباب نے جمع کر کے تالیف و تصنیف کی شکل میں پیش کیا ہے مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِلِقَائِہِمْ وَاَیَّدَھُمْ وَاَوْ اھُمْ ان شاء اللہ یہ حالات اکمل و اجمل صورت میں سامنے آئیں گے۔ اور ان مقامات کے تذکرہ و اشاعت احباب اور مخلصین کی زبانیں اور کان مشرف اور محظوظ ہوں گے۔ اور ان اذکار سے محفلیں منور اور معطر ہوتی رہیں گی۔

راہِ طریقت میں ہمارے خواجہ قدس روحہٗ کو شیخ طریقت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ نے فرزندی کی نظرِ قبولیت سے نوازا تھا۔

آپ حضرت عزیزاں خواجہ علی رامیتنی کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت خواجہ عزیزاں خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ خواجہ محمود، خواجہ عارف ریوگری کے خلیفہ تھے۔ اور وہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ عبد الخالق غجدوانی کے خلفاء میں سے تھے۔ قدس اللہ ارواحہم۔

حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کو حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سے نسبت۔ ارادت۔ صحبت۔ تعلیم۔ آداب سلوک اور تلقین ذکر سے حاصل تھی۔
سید امیر کلال خواجہ محمد بابا سماسی کے خلفاء میں تھے۔ لیکن سلوک میں ہمارے خواجہ قدس سرہٗ کی نسبت تربیت حقیقت میں خواجہ بزرگ خواجہ عبد الخالق غجدوانی کی روحانیت حاصل ہوئی تھی۔ ہم اسی سلسلہ میں مختصر سی گفتگو کریں گے۔

حضرت خواجہ بزرگ خواجہ عبد الخالق۔ امام ربانی شیخ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی کے خلفاء میں تھے۔ خواجہ یوسف ہمدانی کو تصوف میں شیخ طریقت شیخ ابو علی فارمدی طوسی قدس سرہٗ سے نسبت تھی۔ آپ خراسان کے اکابر مشائخ میں ہیں۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے ہی باطنی تربیت حاصل کی تھی۔ شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ کو تصوف میں دو نسبتوں سے فیض ملا ہے۔ ایک شیخ بزرگوار شیخ ابو القاسم گرگانی طوسی سے جو تین واسطوں سے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ سے ملتے ہیں۔ دوسری نسبت شیخ بزرگوار شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتی ہے۔ خواجہ ابو الحسن خرقانی اپنے زمانہ کے پیشوائے مشائخ اور قطب زماں ہوئے ہیں۔ چونکہ پرانے زمانہ میں حقیقی صاحبانِ دل۔ اور کاملانِ حقیقت اور سالکانِ راہِ طریقت بہت تھے۔ اور آخرین زمانہ میں اُن کی تعداد بہت کم رہی ہے بلکہ اَعَزّ مِنَ الْكِبْرِيْتِ الْاَحْمَر ہو گئے ہیں یقیناً ایک زمانہ تھا کہ طالبانِ صادق کسی کبریٰ دین اور مقتدائے اہل یقین کی محبت و متابعت سے فیض یاب ہو کر اپنے روحانی بال و پر کو بشریت کی گراں باری سے سبکسار کر کے اپنے مقصد اور رشد کے مکمل تصرفات کو پا لیتا تھا۔ وہ دوسرے کاملانِ عصر کے عمر بھر زیر تربیت رہتا۔ اور ان کی مجالس فیض میں مقبولیت حاصل کر کے ان کی صحبت کی سعادت حاصل کرتا تھا۔ ان کے علوم و معارف کا اقتباس کرتا تھا۔ اسی طرح اُن حضرات کے انتساب کی نسبت سے تصوف اور علم باطن میں بے پناہ

مقامات حاصل کرتا تھا۔ شیخ شہید، شیخ مجد الدین بغدادی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ علم باطن کی سند میں جس قدر بیشتر واسطے ہوں۔ اسی قدر بہ سند مستند اور عالی تر ہوتی تھی۔ چونکہ مشائخ کرام انوار حقیقت کے پھیلانے کا کام کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں انوار حقیقت مشکوٰۃ نبوت سے ملتے ہیں۔ جس قدر ان پر انوار باطن کا اجتماع ہوتا ہے۔ اسی اندازہ سے وہ اپنے طالبان کو تقسیم کرتے ہیں۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ (یہ نور علی نور۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں۔ کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بہت سے مشائخ کے سلسلہ کے منبع ہیں۔ آپ کا علم باطن میں دو طریقوں سے انتساب رکھتے ہیں۔ ایک حضرت داؤد طائی سے جو حبیب عجمی اور انہیں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اور انہیں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور آپ کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی نسبت تھی۔ دوسری نسبت امام علی بن موسیٰ الرضا رضی اللہ عنہما اور انہیں اپنے والد مکرم امام موسیٰ الکاظم اور انہیں اپنے والد امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے حاصل تھی۔ ان کا طریقہ ائمہ اہلبیت کا طریقہ تھا۔ اباً عن جدٍّ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ چنانچہ مشہور ہے ائمہ اہلبیت کا سلسلہ علم ظاہر و علم باطن میں امت کے علماء و اکابر قدس سرہ اللہ ارواحہم کو ملا ہے۔ اسی سلسلہ عالیہ کو بیاناً۔ عرفاً۔ انفاساً۔ تعظیماً اور ثنائاً سلسلۃ الذہب کہتے ہیں۔ شیخ ابو الحسن خرقانی قدس سرہ کو تصوف میں سلطان العارفین شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے۔ آپ کو سلوک میں روحانیت کی تربیت حضرت شیخ بسطامی نے ہی دی تھی۔ شیخ ابو الحسن کی ولادت حضرت شیخ

ابویزید کی وفات کے ایک مدت بعد ہوئی تھی۔ شیخ ابویزید کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے نسبتِ روحانی ہے۔ حضرت ابویزید کو حضرت شیخ ابوالحسن کی طرح حضرت امام سے روحانی تربیت حاصل تھی۔ رضی اللہ عنہم۔ حضرت امام جعفر کو علم، باطن میں دو طریقوں سے نسبت حاصل ہوئی تھی۔ ایک تو اپنے والد مجد م امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے اور انہیں اپنے والد حضرت زین العابدین علی بن الحسین سے اور انہیں اپنے والد حضرت زین العابدین علی بن الحسین سے اور انہیں اپنے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہیں اپنے والد حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے تھی۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ ولایت حاصل تھی۔

حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کو دوسری طرف سے اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نسبت حاصل تھی۔ قاسم بن محمد اکابر تابعین میں سے تھے۔ تابعین میں سات فقہا مشہور ہیں جنہیں ظاہری اور باطنی علوم سے وافر حصہ ملا تھا۔ ان میں ایک حضرت قاسم بن محمد تھے۔ حضرت قاسم کو باطنی علوم میں حضرت سلمان فارسی سے انتساب تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بہار کرسے بہت کچھ حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ حضور نے آپ کو سَلْمَانُ مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ (سلمان بھی اہلبیت میں سے ہیں) کا شرف بخشا۔ انہوں نے علم باطن کی نسبت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔ یہ نسبت خواجہ دو عالم حضرتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی۔

۱۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث (م ۹۴ھ) ۲۔ خارجہ بن زید بن ثابت (م ۹۹ھ) ۳۔ قاسم بن محمد (م ۱۰۹) سعید بن مسیب (م ۱۰۱) عبداللہ بن عتبہ (م ۱۰۲) عروہ بن زبیر (م ۱۰۶) سلیمان بن یسار (م ۱۰۷)

اہلِ تحقیق اس بات پر متفق ہیں۔ کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان خلفاء رسول سے جو آپ سے پہلے تھے نسبت باطنی میں تربیت حاصل کی تھی۔ شیخ الطریقہ شیخ ابوطالب مکی قدس سرہٗ اپنی کتاب "قوت القلوب" میں فرماتے ہیں۔ کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ایک قطب زمان موجود رہے گا۔ اور یہ قطبِ زماں اپنے مرتبہ اور مقام میں نائب مناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوگا۔ وہ تینوں اوتاد جو قطب کے ماتحت ہوتے ہیں ہر زمانے میں ان تین خلفاء کے نائب مناب ہوں گے۔ امیر المومنین حضرات عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ تینوں حضرات یقین۔ اوصاف اور احوال میں اپنے ان تینوں خلفاء کی پیروی کریں گے۔ ان کے علاوہ صدیقوں میں سے چھ ہیں۔ جن کی صفت میں فرمایا گیا: بِهِمْ يَقُومُ الْاَرْضُ وَبِهِمْ يُدْفَعُ الْبَلَاءُ عَنْ اَهْلِهَا وَبِهِمْ يُرْزَقُونَ وَبِهِمْ يُمْطَرُونَ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے زمین قائم ہے۔ مصائب کو دفع کرتے ہیں۔ لوگوں کو رزق تقسیم کرتے ہیں۔ اور کائناتِ ارضی پر بارش برسانے کا اہتمام کرتے ہیں) یہ حضرات ہر زمانے میں عشرہ مبشرہ کے چھ حضرات کے نائب ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عمر میں خطبہ ارشاد فرمایا اس خطبہ میں یوں فرمایا:

اما بعد فان اللہ عز وجل اتخذ صاحبکم خلیلا ولو کنت متخذا احدا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے دوست کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابابکر صدیق کو بناتا) ایک اور حدیث میں فرمایا:

ان اللہ عز وجل اتخذ ابراھیم خلیلا وموسیٰ نجیا واتخذنی

حبیباً۔ ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِیْ لَاُوْثِرُنَّ حَبِیْبِیْ عَلٰی خَلِیْلِیْ وَنَجِیِّیْ (رَبِّیْ)۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ اور موسیٰ کو نجی۔ اور مجھے حبیب بنایا۔ پھر فرمایا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے۔ میں حبیب کو خلیل اور نجی کو اپنے قریب رکھتا ہوں)۔

ان دونوں احادیث کا مضمون یوں ہے۔ کہ اہل تحقیق اور ارباب بصیرت نے کہا ہے۔ کہ خلت سے دو مقامات مراد ہیں۔ ایک تو محبت کا انتہائی مرتبہ ہے اور یہ مراد دوسری حدیث سے لی جاتی ہے۔ دوسرے محبوبیت کے انتہائی درجات اور مراتب ہیں۔ یہ معنیٰ پہلی حدیث سے مراد لیے جاتے ہیں۔ اس مرتبہ میں کوئی شخص بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کا دعویٰ دار نہیں ہوسکتا۔ "مقام محمود" کا لفظ اسی نہایت بلند رتبہ کا دوسرا نام ہے۔ اور اسی سے کمال کے درجات متعین ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے۔ کہ اگر اس مقام خاص میں میرے ساتھ کسی کو شرکت حاصل ہوتی تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ولایت اور علم باطن جسے علم باللہ کہا جاتا ہے۔ میں اکمل۔ افضل۔ اعلم۔ اور اعظم اولیاء اُمت ہیں۔ بلکہ تمام صدیقوں سے اکمل ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ کا ہی مقام ہے۔ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اکبر ہیں۔ اور اہل بصیرت کے اکابرین سے افضل ہیں (قدس سرہم) اس بات پر اجماع ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کے خیالات اور خدشات کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو اس نظریہ کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کی افضلیت کو دوسری وجوہات کی بنا پر تاویل کرتے ہیں۔

ہمارے خواجہ قدس سرہٗ کے احوال کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کے سلسلہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا طریقہ

اویسیہ تھا۔ اور بہت سے مشائخ جن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اویسی تھے۔ اویسی کا مطلب یہ ہے۔ جسے حضرت شیخ طریقت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ "اولیاء اللہ میں سے ایک ایسا طبقہ ہوا ہے جنہیں مشائخ طریقت اور کبریٰ حقیقت اویسی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہیں ظاہری طور پر کسی مرشد یا رہبر کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ انہیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نگاہ عنایت سے پرورش فرماتے رہے ہیں۔ اور اس تربیت میں کوئی واسطہ درمیان نہیں تھا جس طرح آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو براہ راست تربیت دی تھی۔ یہ بہت بلند مقام ہے۔ جو ہر ایک کو میسر نہیں آتا۔ اس مقام تک کس کی رسائی ہوسکتی ہے۔ اور اس عظیم مقام کو کون پاسکتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

ہمارے مشائخ طریقت میں سے بہت سے حضرات کو سلوک کی ابتداء میں اس مقام کی طرف توجہ ملی ہے۔ چنانچہ شیخ بزرگوار شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی جن سے حضرت نجم الدین کبریٰ کے مشائخ کا سلسلہ طریقت چلتا ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ ارواحہم کے طبقہ کے بزرگوار ابتدائے کار میں ہمیشہ اویس اویس پکارا کرتے تھے۔ طریق سلوک میں ارواح مقدسہ مددگار ہوتے ہیں۔ اور فیض ربانی اور تجلیات روحانی کے حاصل کرنے میں ممد ہوتے ہیں۔ لیکن طریقہ جذب جو ایک وجہ خاص کا طریقہ ہے کوئی واسطہ درمیان میں نہیں آتا۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر کا مقصد خصوصی وجہ توجہ سے ہوتا ہے۔ تمام موجودات میں التجا اور اعتصام اس کی صفت قیومی سے ہوتی ہے۔ شیخ عطار قدس اللہ روحہٗ فرماتے ہیں:

بادشاہا دل بخوں آغشتہ ام — پائے تا سر چوں فلک سرگشتہ ام
گفتہ ای من باشمایم روز و شب — یک نفس فارغ مباشید از طلب
چونکہ بالطفت چنیں ہمسایہ ایم — لطف تو خورشید و ما چوں سایہ ایم

چہ بودہ جاں بخشی سرائے گاں | کہ نگہ داری حق ہمسائے گاں
رہبرم شو زانکہ گمراہ آمدم | دولتم دہ کہ چہ بے گام آمدم
ہر کہ در کوئے تو دولت یار شد | در تو گم گشت و ز خود بیزار شد
مبتلا خویش و حیران تو ام | گر بہ مر گر یک ہم زانِ تو ام
نیستم نومید و ہستم بے قرار | بوک در گیرد یکے از صد ہزار

جب سالک کو ان دو صفات جلالی اور جمالی سے پرورش کی جاتی ہے۔ تو اس کے لیے جلال جمال بن جاتا ہے اور جمال جلال بن جاتا ہے۔ خوف کی انتہائی صورت امیدوار بن جاتی ہے اور غلبہ رجا میں خوف کی کیفیت رہتی ہے۔ اس وقت جب کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی صفت کا اظہار ہوتا ہے۔ تو جمال توجہ فرما ہوتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت ابو یزید قدس سرہٗ کی نگاہ جلال ابو تراب نخشبی قدس اللہ روحہٗ کے ایک مرید کو دیکھا۔ یہ نگاہ تجلی ذات کی نسبت لیے ہوئے تھے۔ اور وہ مرید صرف صفت جمال

ؒ شیخ ابو تراب کا ایک مرید بڑا ہی گرم اور صاحب وجد تھا۔ ایک دن ابو تراب نے اسے کہا کہ بایزید کو دیکھنا چاہتے ہو۔ کہنے لگا جو ہر وقت بایزید کے خدا کو دیکھتا ہو۔ اسے بایزید کے دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ ابو تراب نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں اور اپنی قدرت سے دیکھتے ہو۔ جب ان کے پاس جاؤ تو ان کی قدرت سے دیکھنا۔ کیونکہ آنکھوں میں اور نگاہوں میں فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ دونوں بایزید کے گھر کو روانہ ہوئے۔ بایزید اس وقت پانی لانے کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ دونوں آپ کے پیچھے چلے گئے راستے میں شیخ کو دیکھا۔ کہ مٹی کا گھڑا اٹھائے آ رہے ہیں۔ سر پر گھڑا اور پرانی پوستین پہنے دکھائی دیے۔ جب بایزید کی آنکھیں اس مرید پر پڑیں۔ تو مرید زمین پر گر پڑا۔ اور تڑپ کر واصل بحق ہو گیا۔ شیخ ابو تراب نے کہا حضرت! ایک ہی نگاہ اور موت! آپ نے فرمایا۔ ابو تراب۔ اس نوجوان کے بدن میں ایک نور تھا جس کے افشا ہونے کا ابھی تک وقت نہیں آ رہا تھا۔ بایزید کی نگاہ سے وہ نور افشا ہو گیا۔ اسے اس جلال کی قوت برداشت نہ تھی۔ اس نے دم توڑ دیا۔

کا پرورش یافتہ تھا۔ اگر وہ دونوں اوصاف کا پرورش یافتہ ہوتا۔ تو اسے سلطان العارفین کی نگاہ کی کشش برداشت کرنے کی قوت حاصل ہوتی اور وہ اس طرح بشریت کا متلاشی نہ ہوتا۔

ایک دفعہ ہم اپنے ایک مرید صادق محمد زاہد کے ساتھ صحرا کی طرف جا نکلے۔ ہمیں ایک ضروری کام تھا۔ ہمارے پاس ایک کلہاڑی تھی۔ اسی دوران رقت طاری ہوئی۔ ہم نے کلہاڑی کو تو وہیں پھینکا۔ اور بیابان میں چل نکلے۔ اور ایک دوسرے سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بات عبودیت اور فدائیت پر ہونے لگی۔ اس نے پوچھا۔ کہ فدا کی غایت اور نہایت کیا ہے۔ ہم نے بتایا۔ کہ اگر درویش کو کہہ دیا جائے۔ کہ مر جاؤ تو مرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ یہ بات کہتے ہوئے میرے اندر ایک ایسی حالت طاری ہوئی۔ کہ میں نے محمد زاہد کی طرف منہ کر کے دیکھا۔ اور کہا۔ مر جاؤ۔ اسی وقت محمد زاہد زمین پر گرا۔ اور اس کے بدن سے روح پرواز کر گئی۔ وہ ایک عرصہ تک ایسے ہی مردہ پڑا رہا۔ اس کا جسم روح کے بغیر بلا حرکت پڑا رہا۔ پشت زمین پر۔ چہرہ آسمان کی طرف۔ پاؤں قبلہ کی طرف۔ چاشت سے لے کر دوپہر تک وہ یونہی پڑا رہا۔ اس دن بے پناہ گرمی تھی۔ سورج پوری طرح آگ برسا رہا تھا۔ ہمیں تو اس حالت سے سخت پریشانی ہوئی۔ بڑے متحیر ہوئے۔ پاس ہی ایک سایہ دار درخت تھا۔ چند لمحے اس سایہ میں جا بیٹھے۔ اور حیرانگی کے عالم میں سوچنے لگے۔ پھر اس کی لاش پر آئے اور اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اس کا رنگ اُڑ چکا تھا۔ چہرہ گرمی سے سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہم حیران سے حیران ہوتے جا رہے تھے۔ ناگاہ اسی حیرانی کے عالم میں ہمارے دل پر افشا (الہام) ہوا۔ کہ کہو! محمد زاہد زندہ ہو جاؤ۔ ہم نے یہ بات تین بار کہی۔ اور دیکھا کہ اس جسم مردہ میں زندگی کے آثار آنے لگے۔ اس کے اعضا ہلنے لگے۔ وہ اسی وقت زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ ہم اسی حالت میں

روانہ ہوئے۔ اور حضرت امیر سید کلال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا۔ ہم نے واقعہ کے دوران جب یہ کہا کہ اس کی روح بدن سے جدا ہو گئی۔ اور ہم بے حد حیران ہوئے۔ آپ فرمانے لگے۔ بیٹا۔ اس عالم حیرت میں تم نے کیوں نہ کہا۔ کہ زندہ ہو جاؤ۔ ہم نے بتایا تھوڑی مدت کے بعد ہمیں الہام ہوا۔ تو ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ اپنی حالت پر اُتر آیا۔

شرح اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ سالک کو جلال وجمال کے اوصاف کے ساتھ اس وقت پرورش ہوا کرتی ہے جب وہ محبت ذاتی کی حقیقت کو پالیتا ہے۔ محبت ذاتی پالینے کی علامت میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اس کے سامنے اپنے محبوب کے متقابل اوصاف ایک سے دکھائی دینے لگیں۔ جیسے عزت وذلت، حذر و نفع یکساں دکھائی دینے لگے۔ اہلِ تحقیق نے یہ بھی کہا ہے:

یُعطِی الحق سبحانہٗ المَحبُوبُ من اولیاءہٖ فِی الدُّنیا اَوَّلُ مایعطی اَھلَ الجنَّۃِ فِی الاٰخِرَۃِ۔ وھُوَ قَولُہٗ کُن فَیَکُون وَتِلکَ الکَلِمَۃُ صُورَۃُ الاِرَادَۃِ الکُلیۃ (اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اللہ میں سے محبوب کو دنیا میں ہی وہ انعامات دے دیتا ہے۔ جو آخرت میں اہلِ جنت کو جنت میں نصیب ہوں گے۔ اور اس کا قول کن فیکون اور یہ بات اس کے ارادے کے ماتحت تمام تر دے دی جاتی ہے۔ ایسے ہی مقام پر کہا گیا ہے۔

چوں چنیں خواہد خدا خواہد چنیں
مے دہد حق آرزوئے متقین
کان للہ بودۂ در ما مضٰی
تا کہ کان اللہ پیش آمد جزا

لیکن کمال معرفت اور کمال ادب کا تقاضا یہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ کا ایسا محبوب

اپنے تمام ارادے اور خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع نہ رکھے اور ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے تابع نہیں ہے۔ اگر یہ صفت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو وہ چیزیں بلا اختیار ہوتی جاتی ہیں۔

چوں ولی راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند زراہ

ایک اور مقام پر فرمایا کہ اولیاء اللہ ایسے اوصاف کے ظہور کے وقت عیسوی المشہد ہوتے ہیں لیکن کسی مردے کو زندہ کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت کے واسطے سے ہوتا ہے۔

ایک دفعہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں کے نیچے ایک چیونٹی آگئی اور کچلی گئی۔ آپ بے حد مغموم اور متاثر ہوئے۔ آپ کے دل میں الہام ہوا کہ چیونٹی پر پھونک مارو۔ آپ نے دم کیا تو چیونٹی زندہ ہوگئی۔ شیخ ابو یزید اس حالت میں عیسوی المشہد تھے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے۔ کہ اولیاء کاملین کو نورِ حیوٰۃ حقیقت سے نورِ تمام میسر ہوتا ہے۔ یہ صفت فطرت سلیمہ انسانیہ کی ذاتی صفت ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی فطرت ظلماتِ بشریت۔ صفاتِ بشریت اور طبائع بشریت سے پاک اور طاہر ہوتی ہے۔ اور یہ صفات اس فطرت کو متاثر نہیں کر سکتیں۔ چونکہ انہیں حیات حقیقیہ کے نور سے حصہ ملا ہوتا ہے۔ اسی نور کی بدولت مخلوقات کے بواطن۔ استواراتِ خواطر۔ نیات۔ اعمال و احوال پر مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ عمل ان کے طریقہ خواست سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس بدنیہ ہیئات اور اوضاع کے مطالعہ سے ان مخفی معانی کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ نورِ حیوٰۃ حقیقت جسے نورِ الٰہی کہا جاتا ہے کی روشنی سے طالبانِ مستعد کے دلوں کو زندہ رکھتے ہیں۔ یہ زندگی جو حیوٰۃ حقیقیہ سے میسر آتی

ہے اس زندگی سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ جو حیات حسیّہ سے میسر آتی ہے۔ ظاہری زندگی دنیا (حیوۃ حسیّہ) یا الٰہی شان کا ظاہر کرنا اولیاء اللہ کے ہاں بڑا عظیم کام ہوتا ہے۔

مخلوقِ خدا سے دُوری کا مطلب یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو عام لوگوں سے دور رکھے۔ اور اختیاری طور پر اپنی ذات کے لیے مشقت اور مشکلات کا اضافہ کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے فیض کی کمی کا شکوہ نہیں کرنا ہوگا۔ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال کے ذریعہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تک دنیا کے تعلقات کی نمی دور نہیں ہوگی۔ اس وقت تک کوزۂ وجود اس لائق نہیں ہوگا۔ کہ اسے تصوف کے خمدان میں رکھا جا سکے۔ پھر جب ان کوزوں کو خمدان میں رکھا جاتا ہے۔ تو دیکھا جاتا ہے کہ بعض کوزے تو خمدان سے صحیح اور درست پک کر نکلتے ہیں۔ اور یہ ارادت ازلی کے ظہور کی نسبت سے ہوتی ہے۔ لیکن بعض کوزے شکستہ اور ریختہ ہو کر ناپختہ نکل آتے ہیں۔ ایسے کوزوں کی دوبارہ مرمت کی جاتی ہے۔ تازہ مٹی سے انہیں جوڑا جاتا ہے اور اسے دوبارہ خمدان (بھٹی) میں رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ درست پک کر نکلیں۔ آپ نے فرمایا امیر سید کلال آخری عمر میں تین شبانہ روز قبلہ رو ہو کر بیٹھے رہے۔ اور آپ نے کسی سے بات تک کی۔ تین دن کے بعد آپ نے بات کرنا شروع کی۔ شکرِ خداوندی کیا اور فرمایا۔ اس سہ روزہ توجہ سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ دیکھا جا سکے کہ قبولیت کا دروازہ کھلتا ہے یا بند رہتا ہے۔

شرح اولیاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دنیا میں اور وقتِ وصال لَـهُـمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ کی بشارت دی جاتی ہے۔ یہ اس کی قبولیت اور غفران کی علامت ہوتی ہے۔ پھر آپ نے جو (دور افتادگیاں) دور رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ اُس کا مطلب یہ ہے۔ اگر انسان کی اختیاری

صفت اور طبعی خواہشات کم ہوجاتی ہیں۔ اس سے بشریت کے وجود کی نفی ہوجاتی ہے۔ اور اس نفی سے اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے۔

قُربِ حق دوری نیست از بود خویش
بے زیاں خود بیابی سود خویش

نفی کے اختیار کرنے کی مقدار سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے موافقت اور تدبیر اور تقدیر میں مقام حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ رضا اور سعادت کے مقام کے قریب تر ہوتا جاتا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ اور انسان ہمیشہ اپنی طبیعت کی گوناں گوں خواہشات اور اختیارات کے ترک کے واسطے سے اور اپنے صفات بشریّہ کو محو کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت کے درجات میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور وہ بے اختیاری کے اس بلند درجہ کو پالیتا ہے۔ کہ اسے حقیقت میں کسی چیز کی خواہش یا طلب نہیں رہتی۔ اس وقت وہ بشریت کی سطح سے اُٹھ کر عبودیت کی بلندیوں تک ترقی کر سکتا ہے۔ اور وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ الوہیت کے جذبات کے تصرف سے فنافی اللہ کا مرتبہ حاصل کرلے۔ یہ ولایت خاصہ کے درجات میں سے پہلا درجہ ہے۔ اس کا مبدا سیر فی اللہ ہے۔ اس قسم کے عجائب کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ سیر الی اللہ کا سلوک سنتِ الٰہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے جذبہ شرط ہے۔ یہ جذبہ سیر فی اللہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ جس چیز کو طلب کرتا ہے پالیتا ہے۔ اور جس راہ پر چل نکلتا ہے منزلِ مقصود حاصل کرلیتا ہے۔

نہ ہر صدف کہ فرو برد قطرۂ باراں	درون سینۂ او گشت جائے دردانہ
صدف بباید و باراں و کرو چندیں سال	ہنوز نسبت مقرر کہ می شود یا نہ
خلیلی قطاعُ ایضاً فی الی الحتی	کثیرٌ وَّ اَمَّا الوَاصِلُوْنَ قَلِیْلٌ
غواصان را اگرچہ نیچے نبود	در ہر صدفے دُرّ یتیمے نبود

در عمر بہ نادر آچنانی اُفتد — دین دولت ہر سیہ گلیمے نبود

سیر فی اللہ کو ہی مقام وصول کہا جاتا ہے۔ سیر الی اللہ میں عاشق کی سیر بجانب معشوق ہوتی ہے۔ اور سیر فی اللہ میں معشوق کی عاشق کی طرف سیر ہوتی ہے۔ یہ اوصاف صفاتِ بشریت کے فنا ہونے اور بے اختیاری حاصل ہونے سے میسر آتے ہیں۔ چنانچہ دونوں جہاں میں اس کی ذات کے علاوہ نہ تو کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے اور نہ کوئی مرادِ حقیقی بے اختیاری اس بے اختیاری کا نام ہے۔ جس سے شیخ کی ولایت کے تسلیم حاصل ہو جاتے۔ تسلیم احکام قضا و قدر کا زینہ ہے۔ جب یہاں تسلیم کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جاتا ہے تو تسلیم کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ جب تصوّف ولایت میں تسلیم کی ذمہ داریوں کو قبول کر لیا جاتا ہے تو جمالِ حقیقت کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔ اور قاصد اپنے مقصود اور مرید اپنے مراد کو پالیتے ہیں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی روحانیت پر توجہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ظاہری اور باطنی علائق سے انقطاعِ تام اور تجرّدِ کلی ہو جاتے۔ جس وقت قدوۃ الاولیاء خواجہ محمد بن علی حکیم ترمذی قدس اللہ روحہٗ کی روحانیت کی طرف توجہ کی جاتی ہے تو اس توجہ کا اثر محض بے صفتی کے ظہور پر ہوتا ہے۔ جس قدر اس توجہ میں گہرائی اختیار کی جاتی ہے۔ تو کسی قسم کا اثر، گرد یا صفت کا اظہار نہیں ہوتا۔ جب روحانیت کا وجود انوارِ حقیقیہ میں محو ہو جاتا ہے۔ جس قدر انسان اپنے وجود کی تلاش کرتا ہے پھر اپنے آپ سے سرمایۂ ادراک تلاش کرے، سوائے بے صفتی اور بے نہایتی کے کچھ نہیں پاتا۔

شرح حضرت نے یہ باتیں اس وقت فرمائی تھیں جب آپ سلوک کے ابتدائی منازل اور احوال سے گزر رہے تھے۔ آپ کی تمام توجہات مشائخ کبار رضی اللہ عنہم کے ارواحِ طیبہ کی طرف مرکوز تھیں۔ اور ہر توجہ کے اثرات

کے ظاہر ہونے پر اظہارِ خیال فرماتے جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء اللہ کی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض صفات سے متصف ہیں اور صفات میں واضح نشانات کے مالک ہوتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ وہ اہلِ معرفت ہیں۔ یا اہلِ معاملات ہیں۔ یا اہلِ محبت ہیں اور اہلِ توحید ہیں۔ بایں ہمہ اولیاء اللہ کا کمال اور اعلیٰ ترین درجات تو بے صفتی اور بے نشانی میں ہی پایا جاتا ہے اور بے صفتی سے مراد ذاتی کشف ہے۔ جو ایک بہت بلند مقام ہے۔ اور بہت ہی اعلیٰ درجہ ہے۔ اس مقام رتبہ کی تشریح یا توصیف بیان و کلام میں نہیں آسکتی۔

بر تر از علم است و بیرون از عیان
ذاتش اندر ہستیٔ خود بے کراں
زو نشاں جز بے نشانی کس نیافت
چارۂ جز جا نغشانی کس نیافت
گر عیاں جوئی نہاں آنکہ بود
ور نہاں جوئی عیاں آنکہ بود
ور بہم جوئی چو بے چوں است او
آں زماں از ہر دو بیرون است او
صد ہزاراں طور از جاں بر تر است
ہر چہ خواہم گفت او زاں برتر است
عجز از آں ہمراہ شد با معرفت
کو نہ در شرح آید وے در صفت

اس بے صفتی کے مرتبہ میں کمال تو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ تمام انبیاء و اولیاء حسبِ مراتب آپ کے ہی خرمن سعادت کے

خوشہ چین ہیں۔ اور آپ کے مقدس باطن کی استمداد سے مختلف مدارج پر ترقی پاتے جاتے ہیں۔ مقامِ محمود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔ یہ اسی مرتبہ کمال کی طرف اشارہ ہے۔ خاصانِ خدا جیسے صفتی کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں۔ تو اس مرتبہ کو پانے والا اہلِ تمکین سے ہوتا ہے۔ تو وہ قلب کی صحبت سے مقلب القلب کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ تمام صفات اور اخلاقِ الٰہیہ سے متصف اور متخلق ہوجاتا ہے۔ اسے احوالِ باطنی پر پورا پورا تصرف حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے ابوالوقت کہتے ہیں۔ وہ ایک صفت سے دوسری صفت تک رسائی حاصل کرتا رہتا ہے۔ وہ وجودِ بشریت کے بقا سے تمام وکمال صاف اور مبرّا ہوجاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

صوفی ابن الوقت باشد در مثال؛
لیک صافی فارغ است از امر و حال
حالہا موقوف عزم ورائے اوست
بستہ بررائے جہاں آرائے اوست[1]

حدیث پاک میں ہے: اَجْمَعُوا وُضُوْءَکُمْ جَمَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ شملکم۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ باطنی وضو کو ظاہری وضو کے ساتھ جمع کردو۔ تاکہ تمہیں استقامتِ باطن حاصل ہوجائے۔ استقامتِ باطن اس کیفیت کا نام ہے۔ کہ کلمۂ توحید کے بعد تمام روحانی استقامت اور جسمانی عوامل ختم ہوجاتے ہیں۔ ان تمام تعلقات کی نفی کا ہی دوسرا نام استقامتِ احوال ہے۔

---

[1] مثنوی مولانا روم۔ دفتر سوم۔ بادنیٰ تصرف۔

استقامتِ احوال کی دلیل استقامتِ افعال ہے۔ جو امرونہی خداوندی کو اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعظیم سے میسّر آتی ہے۔ استقامتِ افعال اور استقامتِ احوال کے بغیر کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ سالکِ طریقت کو ہر حالت میں یہ کوشش کرنا چاہیے کہ جب تک اس سے ہو سکے۔ اپنی روش (اہل اللہ سے ادب سے پیش آنا) اور اپنی کوشش (اللہ تعالیٰ کے کاموں میں سختی سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنا) اس بات پر لگا دیتا کہ میں جن لوازمات کا ذکر کرتا ہوں۔ اس پر عمل کروں۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَاتَفْعَلُوْنَ (وہ چیز کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے) یہ کام بے حد مشکل ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) اللہ تعالیٰ کا ذکر تو اسے یاد کرنے کی توفیق ہے۔ اور یہ ذکر اس طرح کیا جائے جیسا کہ کرنے کا حق ہے۔ جو کچھ دکھا جائے اسے بھی جائے۔ حقیقت کلمہ کے سامنے تمام چیز غیر اور حجاب نہیں۔ لا صرف غیر اللہ کی نفی کرتا ہے۔ دل کی نفی کرنا سلوک کے لیے شرطِ سالک کے وجود میں عدمِ تصرف کے بغیر کمال نہیں کرتا۔ عدمِ تصرف جذبۂ الٰہی کے اثر اور نتیجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

وقوفِ قلبی اس لیے ضروری ہے کہ اس جذبہ کا اثر معلوم کیا جائے۔ یہ اثر پہلے دل میں ہوتا ہے۔ اور عدد کی رعایت سے دل ذاکر ہوجاتا ہے اور دل کی تمام متفرقات جمع ہوجاتی ہیں۔ ذکرِ قلبی میں جب عدد اکیس ۲۱ سے تجاوز کرتا ہے۔ تو اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور اس عمل کی بے حاصلی پر ذکر کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نفی کے وقت بشریت کا وجود منفی ہوجائے۔ اور اثبات کے وقت الوہیت کے جذبات کے تصرفات کے آثار سے اثر کا مطالعہ کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ط اس آیت کریمہ

کے مطالب میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ جو اہل ایمان سے رونما ہوتے ہیں۔ اس وقت عند اللہ کہلائیں گے۔ جب حضرت خداوندی جل ذکرہٗ کے نگاہِ قبولیت میں آئیں گے۔ یہی مقام وجود بشریت کی نفی ہونے اور عمل کے قبول ہونے کی علامت ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے۔ جب جذبہ الٰہی کے تصرف کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ تمہیں توفیق مزید دے۔ اس قسم کے فوائد کی انتہا جسے اہل بصیرت روحہ اللہ کو نوازا گیا ہے۔ یہ ہے کہ تمام عبادات کا مقصود اور منتہیٰ ذکرِ خداوندی ہے۔ سعادت عظمیٰ کو وہی پاتا ہے جو اس جہاں سے کوچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اُنس و محبت اس پر غالب آتی ہے۔ اس کی انس و محبت کا غلبہ ذکرِ الٰہی کے دوام تعبیر نہیں ہوتا۔ مسلمان کی بنیاد حکم لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہی عین ذکرِ خداوندی ہے۔ دوسری تمام عبادتیں اسی ذکر کی تائید میں کی جاتی ہیں۔ نماز کی روح ذکرِ الٰہی کو تازہ کرنے کا ہی نام ہے۔ ذکرِ الٰہی دل پر وارد ہو۔ جس سے اللہ کی عظمت اور ہیبت بیٹھ جائے۔ روزہ سے مقصد یہ ہے کہ خواہشات انسانی میں کمی ہو جائے۔ جب دل خواہشات کے اثرات سے فارغ ہو تو صاف ہو جائے گا۔ وہ ذکرِ الٰہی کی قرارگاہ بن جائے گا۔ حج سے مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کا ذکر بلند کیا جائے۔ الغرض اس کے لیے ذوق و شوق کا اظہار۔ اس کے دیدار کی تمنا۔ دنیا کا ترک کرنا۔ دنیاوی خواہشات سے دستبردار ہونا اور گناہوں سے کنارہ کشی کرنا صرف اس لیے ہوتا ہے۔ کہ انسان ذکرِ خداوندی کے لیے فارغ ہو۔ امر و نواہی سے مقصود بھی ذکرِ الٰہی ہے۔

حقیقتِ ذکر | ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ تمام چیزوں سے دل کو توڑ لیا جائے

اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اگر کسی دوسری طرف التفات نہ کیا جائے اور دوسرا کوئی معبود تصور میں بھی نہ لایا جائے۔ صرف اسی کی اطاعت کی جائے۔ ذکر کی حقیقت کی علامت یہ ہے۔ امر و نہی کے وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش نہ کیا جائے۔ اور اسی کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بنیاد توبۃ النصوح کی طرح مضبوط ہونی چاہیے۔ تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے کنارہ کشی کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ذکر کی نسبت اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ اس کی مخالفت کا ذرہ بھر اثر ظاہر نہ ہونے پائے۔

ذکر کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ انسان طلب حق میں صادق رہے۔ طلب کا درد ہو۔ راہِ سلوک میں اسے کوئی مانع نہ آئے۔ اور کوئی چیز اسے ذکرِ خداوندی سے مانع نہ ہو۔ یہاں تک کہ اسے اپنے وجود سے بھی گریزاں ہونا چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے تمام ماسویٰ اللہ سے روگردانی کرے۔ اور صرف ذکرِ خداوندی میں ہی مستغرق ہو جائے۔

برخاستہ زجان و تن مے باید | سیر آمدہ ز خویشتن مے باید
زیں گرم روی بند شکن مے باید | در ہر گامے ہزار بند افزونست

شیخ عطار قدس روحہٗ فرماتے ہیں۔

ذکر او ارواح را پیرایہ ہاست | یادِ او مغز ہمہ سرمایہ ہاست
پُرنہور نام او گوئی ہمی | تو زنگ خویش نندیشی دمے

ذکر سے مکمل فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب شیخ کامل صاحب تصرف[1] سے اجازت حاصل کی جائے۔ تاکہ اس ذکرِ حقیقی کے بیج سے جو طالب کے مستعد دل کی زمین میں ایک صاحبِ ولایت کی تلقین اور تصرف سے بویا گیا تھا۔ پوری طرح ثمرۂ ولایت حاصل ہو۔ کلمہ کی نورانیت دل کی نورانیت کی مناسبت سے حاصل ہوتی ہے اور دل کی نورانیت خواہشات کے زائل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلی بات یہ ہوتی ہے۔ کہ صفاتِ مذمومہ کو اپنے باطن سے حتی الامکان دور کیا جائے۔ جب دل کی زمین طبیعت کے خار و خاشاک سے خالی ہو جائے۔ اور اس کام کے قابل ہو جائے

---

[1] صاحب تصرف - اولیاء اللہ صفاتِ الٰہیہ کی قوت سے خلق میں تصرفات کرتے ہیں۔ مگر سب سے قابل اور سب سے وقیع تصرفات ان کے ہوتے ہیں جو قلوبِ عالمین میں ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ ان تصرفات کے ذریعہ وہ گمراہوں کو راہِ راست پر لاتے ہیں۔ بدشوقوں کو صحیح ذوق و شوق کا فیضان دیتے ہیں۔ ناقصوں کو کامل بناتے ہیں۔ جن پر جہل کی مردنی چھائی ہوئی ہو انہیں علم کی زندگی دے کر زندہ جاوید کر دیتے ہیں۔ اسی اعتبار سے شیخ کو محی بھی کہا جاتا ہے۔ ولی درحقیقت مظہرِ تصرفاتِ نبی ہوتا ہے۔ (سرِ دلبران۔ شاہ سید محمد ذوقی) خواجہ عبید اللہ امامی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں پہلی بار اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔

تو ز خود گم شدہ، کمال اینست و بس

تو نماں احسنًا، وصال اینست و بس

آپ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ طائفہ علائیہ کا طریقہ توجہ اور نسبت باطنی یوں ہوا کرتی تھی کہ پہلے جس شخص سے نسبتِ روحانی ہو۔ اس کی صورت کو دل میں نقش کیا جائے۔ اور خیال میں اس حرارت اور کیفیت کو پیدا کرے۔ اور اس خیال کی نفی کرنے کی بجائے اسے اپنے دل میں محفوظ کرے۔ چشم و گوش اور دیگر اعضاء اسی خیال میں متوجہ قلب رہیں (نفحات الانس ۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی)

تو ذکر کا بیج اس میں بکھیرا جائے۔ اگر کسی صفت ذمیمہ میں مبتلا ہو جائے۔ تو اسے رفع کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔ سب سے پہلے دل کے تصفیہ کی کوشش کرنا چاہیے اور ابتدائے کار میں ہی تبدیلی اخلاق میں مشغول نہیں ہو جانا چاہیے۔ جب توجہ حاصل ہو جائے۔ تو مراقبہ میں وقت گزارنا شروع کرے۔ تاکہ تصفیۂ قلب حاصل ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و فیضان کی امداد سے نفس کے اخلاق کی تبدیلی سے دل کی وہ صفات میسر ہونا شروع ہو جائیں گی۔ جو عمر بھر کے مجاہدے سے میسر نہیں آتیں۔ جب یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے فیضان سے حاصل ہو جائے۔ تو اعتدال پسندی اور ثواب کے طریقہ کو اختیار کرتا جائے۔ اس راستے میں جو چیز بھی رکاوٹ کا سبب بنے اسے ہٹاتا جائے کیونکہ دل کی فراغت کے بغیر یہ راستہ طے نہیں ہوگا۔ جب یہ تمام امور مکمل کرے تو ایسے شخص کی طرح ہو جائے گا جس نے طہارت کر لی ہو۔ اب اسے امام کی اقتداء کی ضرورت